Quarterly Research Journal "Al-Qudwah", Volume 02, Issue 04, Oct-Dec 2024

AL-QUDWAH

ISSN(P): 2959-2062 / ISSN(E): 2959-2054

https://al-qudwah.com

تفسیر قرآن عزیز از سید مسعود میں مباحث سیرت کا مطالعہ

A Study of the Discourses on Seerah in Tafseer-e-Quran-e-Aziz by Syed Masood

ABSTRACT

The Prophet's character is a model for all humanity. Be it any field of human life, be it economics, political science, ethics, worship, individual life or collective life, the good example of Prophet Muhammad (PBUH) is the best example for us. You are sons, fathers, brothers, companions, enemies, traders, industrialists, manufacturers, laborers, landlords, farmers, politicians, economists, kings, subjects, prosperous, or worried. Therefore, whoever you are, the good life of the Prophet ﷺ is the best example for you. The good life of the Prophet ﷺ is a beacon of light, no field of life can cope with success and success without being guided by the good life. Because Allah himself made the Prophet It has been said about Karim ﷺ that Rasulullah ﷺ is a model and an ideal for you. In this blessed verse, Allah Ta'ala did not call him as an example in any particular field or in terms of any particular aspect, but it is applied in it, so he is an example in every field of life.Therefore, any writer who writes on any field of human life must have embellished it with the bright aspects of the Prophet's biography, and received an abundant share from the abundant treasure of the Prophet's biography and tried to convey it to the Ummah. The name also belongs to Syed Masood B.S. In his commentary, he has made various aspects of the Prophet's life a part of his commentary.

Keywords: *Prophet Muhammad (PBUH), Model for humanity, Seerah, Human life fields, Beacon of light, Syed Masood.*

AUTHORS

Hafiz Usama Munir*
PhD Scholar, Department of Quranic Studies, The Islamia University of Bahwalpur:
usamamunir622@gmail.com

Dr. Hafiz Sultan Mahmood*
Assistant Professor, Department of Quranic Studies, The Islamia University of Bahawalpur:
sultan.mahmood@iub.edu.pk

Date of Submission: 27-10-2024
Acceptance: 08-11-2024
Publishing: 15-12-2024

Web: https://al-qudwah.com/
OJS: https://al-qudwah.com/index.php/aqrj/user/register
e-mail: editor@al-qudwah.com

***Correspondence Author:**
Hafiz Usama Munir* *PhD Scholar, Department of Quranic Studies, The Islamia University of Bahwalpur.*

تمہید:

نبی کریم ﷺ کی سیرت طیبہ تمام انسانیت کے لئے نمونہ ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ہو، معاشیات ہوں، سیاسیات ہوں، اخلاقیات ہوں، عبادات ہوں، فرد کی زندگی ہو یا اجتماعی زندگی، نبی کریم ﷺ کا اسوہ حسنہ ہمارے لیے بہترین نمونہ رکھتا ہے۔ آپ بیٹے ہیں، باپ ہیں، بھائی ہیں، ساتھی ہیں، دشمن ہیں، تاجر ہیں، صنعتکار ہیں، کارخانہ دار ہیں، مزدور ہیں، زمیندار ہیں، مزارع ہیں، سیاستدان ہیں، معیشت دان ہیں، بادشاہ ہیں، رعایا ہیں، خوشحال ہیں یا پریشان ہیں۔ غرض آپ جو بھی ہیں نبی کریم ﷺ کی سیرۃ طیبہ آپ کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ نبی آخر الزماں ﷺ کی سیرت طیبہ مشعل راہ ہے، سیرت سے رہنمائی حاصل کئے بغیر کوئی شعبۂ زندگی کامیابی اور کامرانی کے ہمکنار نہیں سکتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود نبی کریم ﷺ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمہارے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہیں۔([1])اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کسی خاص شعبے میں یا کسی خاص پہلو کے اعتبار سے نمونہ نہیں قرار دیا، بلکہ اس میں اطلاق ہے لہٰذا آپ ﷺ ہر شعبۂ زندگی میں نمونہ ہیں۔

لہٰذا انسانی حیات کے کسی بھی شعبے پر کوئی مصنف قلم اٹھاتا ہے اسے سیرت رسول ﷺ کے روشن پہلوؤں سے ضرور مزین کیا ہے، اور سیرت مطہرہ کے بیش بہا خزانے سے وافر حصہ وصول کیا ہے اور اسے امت تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ انہیں میں ایک نام سید مسعود بی ایس کا بھی ہے۔ انہوں نے اپنی تفسیر میں آپ ﷺ کی سیرت کے مختلف گوشوں کو اپنی تفسیر کا حصہ بنایا ہے۔

تفسیر قرآنِ عزیز میں سید مسعود کا مباحث سیرت کے حوالے سے منہج:

قرآن حکیم تا قیامت انسانیت کے لئے ذریعۂ ہدایت ہے۔ اور ہر خطے میں بسنے والے تمام انسانوں کے لئے یکساں طور پر مشعلِ راہ ہے۔ کوئی بھی زبان بولنے اور سمجھنے والا انسان اس سے راہ نمائی حاصل کر سکتا ہے۔ لہٰذا یہ ناگزیر ضرورت ہے کہ قرآن مجید کے معانی ومفاہیم کو سمجھا جائے۔ قرآن فہمی کے لیے قاری کی زبان میں اس کا ترجمہ اور اس کی تفسیر اساس کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چنانچہ دنیا کی دیگر زبانوں کی طرح اردو زبان میں بھی اس کے تراجم وتفاسیر کی گئی ہیں۔ ان ہی میں ایک کاوش سید مسعود کی "تفسیر قرآنِ عزیز" بھی ہے۔ سید مسعود کی اس تفسیر کا مطالعہ کریں تو بالاستعیاب یہ تفسیر بالماثور ہے اور مؤلف نے اس میں تفسیر بالقرآن اور تفسیر بالحدیث کا التزام کیا ہے۔ مؤلف نے اپنے اسلوب کی وضاحت تفسیر کے مقدمے میں بھی کی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "قرآن مجید کی تفسیر، تشریح وتوضیح، اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمے لی ہے، اب یہ تشریح وتوضیح یا تو خود قرآن میں ملے گی یا حدیث میں۔([2])

الغرض سید مسعود نے اپنی تفسیر میں زیادہ یا تو قرآن کریم آیات مبارکہ سے تفسیر کی ہے یا پھر آپ ﷺ کے فرامینِ عالیہ کی مدد سے قرآن کریم کی تفسیر کی ہے۔ تاہم یہ بات بے حد قابل غور ہے کہ اس تفسیر میں مباحث سیرت نہایت قلیل ہیں۔ اکثر وبیشتر انہوں نے بلا تبصرہ اور بلا کسی بحث کے صرف نقلِ حدیث پر اکتفاء کیا ہے۔ اور نقلِ حدیث میں انہوں اکثر وبیشتر قولی احادیث مبارکہ کو ذکر کیا ہے۔ جب کہ آپ ﷺ کے افعال و اعمال اور عادات واطوار کو نہایت قلیل مقدار میں ذکر کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سید مسعود نے اپنی پوری تفسیر میں کتبِ حدیث سے ہی روایات لی

[1] ۔ الاحزاب:12

[2] ۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن عزیز، ایچ پرنٹرز 1/8

ہیں، چنانچہ ان کی یہ تفسیر منتخب کتب حدیث کے حوالوں سے لبریز ہے، تاہم کہیں بھی کتبِ سیر سے انہوں نے کوئی روایت نقل نہیں کی اور نہ ہی اس تفسیر میں کتب سیرت کا کوئی حوالہ ملتا ہے۔ لہٰذا اس مطالعے کے نتیجے میں یہ کہنا بے جا نہیں ہے کہ سید مسعود کی تفسیر میں سیرت کی مباحث نہایت قلیل اور نادر ہیں۔

تفسیر قرآن عزیز کی خوبی:

تفسیر قرآن عزیز سید مسعود کا کمال اور حسن وخوبی یہ ہے کہ انہوں نے اپنی اس تفسیر کو ہر طرح کے اختلافی اور نزاعی مباحث سے پاک رکھا ہے۔ آیات مبارکہ سے بہت سے معاشرتی و معاشی مسائل کا اخذ و استنباط کیا ہے اور ان احکام کے استنباط میں تفسیر کے ضمن میں انہوں نے زیادہ تر بخاری و مسلم اور دیگر کتبِ حدیث سے صحیح احادیث کو ذکر کیا ہے۔ مسائل کے بیان کرنے میں انہوں نے اپنے موقف کو نہایت واضح انداز میں بیان کیا ہے مگر اختلافی مواقع پر شائستگی کا دامن نہیں چھوڑا۔ چنانچہ یہ طرزِ تفسیر اس تفسیر کی خصوصیات میں سے ہے۔

ذیل کے صفحات میں سید مسعود احمد کی تفسیر "تفسیر قرآنِ عزیز" کے مباحث سیرت کا مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے فرائض منصبی:

اللہ تعالیٰ اس کائنات کو وجود بخشا، اس کائنات کو رونق بخشنے کے لئے اس میں طرح طرح کی مخلوقات کو پیدا کیا گیا۔ ان تمام مخلوقات میں انسان کو عزت و تکریم سے نواز اشرف المخلوقات کا شرف بخشا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دیگر مخلوقات کے برعکس نے نسل انسانی کو خلافت ارضی کے اعزاز سے سرفراز کیا ہے۔ گویا انسانی کی تخلیق ہی اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ ہونے کی غرض سے کی ہے۔ اس خلافت و نیابت کا تقاضا یہ تھا کہ انسان کی رہنمائی کا کوئی نظام ہو تا کہ انسان خدائی تعلیمات وہدایات کو پا کر اپنی زندگی بسر کر سکے۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے لیے انبیاء کا سلسلہ شروع فرمایا ہے تاکہ انسان انبیاء اور رسولوں کی رہنمائی میں اپنی اصلاح و فلاح کا بندوبست کریں۔ کیونکہ انسانی عقل اتنی کامل نہیں ہے کہ وہ از خود اپنے تمام دنیوی واخروی امور میں اپنے نفع اور نقصان کی چیزوں میں کلی امتیاز کر سکے۔ اس لیے اللہ تعالی کا انسانوں پر احسان ہوا کہ اس نے ان تمام امور میں انسانوں کی رہنمائی کے لیے انبیاء کو مبعوث فرمایا۔ جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انسان کی بہت بڑی تعظیم بھی ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِىْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ"۔[3]

"اللہ نے ایمان والوں پر احسان کیا ہے جو ان میں انہیں میں سے رسول بھیجا (وہ) ان پر اس کی آیتیں پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور دانش سکھاتا ہے، اگرچہ وہ اس سے پہلے صریح گمراہی میں تھے۔"

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جس انسان کو وجود بخشا اور پھر دنیا میں مبعوث فرمایا انہیں نبوت ورسالت سے عظیم منصب سے سرفراز فرما کر بھیجا۔ اگر غور کیا جائے تو یہ بھی انسانوں کے لیے بہت بڑے شرف و کرم کا سبب ہے کہ تمام انسانوں کا باپ اور ان کے مصدر اول اس منصب سے سرفراز تھے۔

اس آیت کریمہ میں جہاں بعثتِ انبیاء کا انعام الٰہی اور احسان خداوندی ہونا ظاہر ہو رہا ہے وہاں اس آیتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کے فرائض منصبی کا بھی بیان ہے۔ چنانچہ اس آیتِ مبارکہ کی روشنی میں سید مسعود آپ ﷺ کے فرائض منصبی تحریر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

---

[3] ۔ آل عمران 164:3

آیت زیر تفسیر اور آیت مذکورہ بالا میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے جو فرائض منصبی بتائے ہو درج ذیل ہیں۔(۱) اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سنانا۔(۲) دلوں کو پاک کرنا، اور (۳) کتاب وحکمت کی تعلیم دینا۔ ان فرائض منصبی کا بار بار ذکر فرمایا ہے۔ ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّيْنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ"۔(4)

"اللہ ہی ہے جس نے امتیوں میں انہی میں سے ایک رسول مبعوث فرمایا جو ان کو اللہ تعالیٰ کی آیات پڑھ کر سناتا ہے، ان کے قلوب کا پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ ورنہ اس سے پہلے وہ صریح گمراہی میں مبتلا تھے"۔

مندرجہ بالا آیات سے ثابت ہوا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم کے فرائض منصبی میں صرف میں صرف یہی نہیں کہ قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے سناویں، اس کے علاوہ ان کے دو فرائض اور بھی ہیں، وہ دلوں کو پاک کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں۔ دلوں کو پاک کرنے سے یہ مراد ہے کہ وہ دل کو شرک، اوہام باطلہ، کفرو ناشکری، کینہ وبغض، حسد وعداوت، تکبر وریاء، فخر وعجب سے پاک کریں، دلوں کو توحید و عقائد صحیحہ، ایمان وشکر، الفت ومحبت، عاجزی وانکساری، خوف وخشیت، خلوص اور اللہ تعالی کی رضاجوئی کے جذبہ سے معمور کردیں، یعنی قلوب امراض روحانی سے پاک ہو جائیں اور ان میں اللہ تعالی کی محبت اور تقویٰ پیدا ہو جائے، یہی انسان کا روحانی کمال ہے۔ یہی اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا اور وہ جماعت تیار کی جس کی شان میں اللہ تعالی فرماتا ہے۔(5)

دعوت الی اللہ میں صبر اور کرختی کو برداشت کرنا:

دعوت الی اللہ ایک صبر آزما عمل ہے، اس میں قدم قدم پر لوگوں کی طرف سے مزاحمت، بے رخی اور بدسلوکی کا سامنا کرپڑ سکتا ہے۔ لہٰذا یہ شعبہ نہایت پُرخار ہے۔ اس لئے اس میدان میں قدم رکھنے والے لئے اس میں پیش آمدہ مسائل اور مصائب کا مقابلہ کرنے کے لئے صبر کے ہتھیار سے مسلح ہونا ضروری ہے۔ انسان کی زندگی میں صبر کتنا ناگزیر ہے، اس کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ صبر کا ذکر قرآن کریم میں ستر مرتبہ کیا گیا ہے۔ بالخصوص دعوت کے ساتھ اس کا ذکر بطور خاص کیا گیا ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ۔(6)

"بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔ مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کیے اور حق پر قائم رہنے کی اور صبر کرنے کی آپس میں وصیت کرتے رہے"۔

دعوت الی اللہ کے میدان میں صبر کس قدر ضروری اور اہم ہے کہ تمام اولوالعزم انبیاء نے دعوت کے میں صبر کا دامن تھامے رکھا۔ جیسا کہ قرآن میں کریم اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"فَاصْبِرْ كَمَا صَبَرَ أُولُو الْعَزْمِ مِنَ الرُّسُلِ"۔(7)

"پھر صبر کر جیسا کہ عالی ہمت رسولوں نے کیا ہے اور ان کے لیے جلدی نہ کر"۔

اس آیت مبارکہ میں جہاں اولوالعزم انبیاء کرام کی صفت صبر کی خبر دی گئی ہے وہاں آپ ﷺ کو ان انبیاء کی طرح صبر کی تلقین کی گئی

4۔ الجمعہ 2:62

5۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن عزیز، 1/488

6۔ العصر:3-2

7۔ الاحقاف:35

ہے۔اس لئے داعی کے لئے ضروری ہے کہ دعوت کے میدان میں پیش آمنے والے متوقع غیر موافق حالات کے تیار رہے اور ایسے حالات کے پیش آنے پر صبر کا دامن ہاتھ سے نہ جانے دے۔اور صبر اور برداشت کا یہی عنصر آپ ﷺ کی دعوت کے عمل میں نظر آتا ہے۔اسی حوالے سید مسعود احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حضرت ضمام بن ثعلبہ کو جب اسلام کی دعوت پہنچی تو انہوں نے مدینہ منورہ آکر رسول اللہ ﷺ سے کہا: میں آپ سے سوال کروں گا اور سوال میں آپ پر سختی کروں گا تو آپ اپنے دل میں مجھ پر ناراض نہ ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو تمہارا جی چاہے پوچھو۔"[8]

آپ ﷺ کا قرعہ اندازی کا عمل:

عموماً قوانین انسانی طبائع سے متصادم ہوتے ہیں اور انسانی طبائع پر ناگوار ہوتے ہیں کیونکہ قوانین بظاہر انسان کی آزادی کو چیلنج کرتے ہیں، اس لئے انسان ان قوانین سے بچنے کے راستے تلاش کرتا ہے۔ جس سے مزید کئی معاشرتی پیچیدگیاں جنم لیتی ہیں۔لہٰذا اسلام نے قوانین کے ساتھ ساتھ بہت سی اخلاقی تعلیمات بھی دی ہیں۔ گویا اسلام اخلاقی تربیت اور قوانین کو ساتھ ساتھ چلاتا ہے۔ کیونکہ جب انسان حسن اخلاق کی دولت سے مالا مال ہو جاتا ہے تو اس کے لئے اول تو قوانینِ معاشرت پر چلنا کوئی مشکل نہیں رہتا ہے۔ نیز وہ قانونی سقم سے فائدہ اٹھا کر معاشرے کے بگاڑ کا سبب بننے کی بجائے اخلاقی قدروں کی پاسداری کرتا ہے اور معاشرے کی فلاح وفلاح کے لئے ایک کارآمد فرد ثابت ہوتا ہے۔

معاشرے میں عدل و انصاف کو یقینی بنانے لئے اسلام میں مختلف اقدامات کیے ہیں، ان میں شکل قرعہ اندازی کی بھی ہے کہ کسی معاملے میں اختلاف کو ختم کرنے کے لئے قرعہ اندازی کی جائے۔ عمومی طور پر قرعہ اندازی ایک استحبابی معاملہ ہے، جس کا مقصد فریقین کی دل جوئی مقصود ہوتی ہے۔ قرآن کریم میں قرعہ اندازی کو ثبوت موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ۔[9]

"اور تو ان کے پاس نہیں تھا جب اپنا قلم ڈالنے لگے تھے کہ مریم کی کون پرورش کرے"۔

سید مسعود اس آیت مبارکہ میں حضرت مریم علیہ السلام کی کفالت کے لئے قرعہ اندازی کے عمل سے قرعہ اندازی کے حوالے سے آپ ﷺ کی سنت کو ذکر کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں:

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جھگڑے کی صورت میں قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا جائز ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی اس طرح اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

لو يعلم الناس ما في النداء والصف الأول ثثم لم يجدوا إلا أن يستهموا عليه لاستهموا عليه۔[10]

"اگر لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اذان (دینے) اور صف اول (کھڑے ہونے کا) کتنا (ثواب) ہے اور اگر وہ اس (ثواب) کو بغیر قرعہ اندازی کے حاصل نہ کر سکیں تو قرعہ اندازہ ضرور کریں۔"

اس کے بعد موصوف دوسری حدیث نقل کرتے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں کہ حضرت عائشہ صدیقہ طاہرہ مطہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

كان رسول الله صلى الله عليه و سلم إذا أراد أن يخرج أقرع بين أزواجه فأيتهن خرج سهمها خرج

8۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، (بیروت: دار ابن کثیر، 1407ھ) رقم الحدیث: 63

9۔ آل عمران: 44

10۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 590

بها رسول الله صلى الله عليه۔([11])

"رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواج کے درمیان قرعہ اندازہ کرتے، جس بیوی کا نام قرعہ اندازی میں نکلتا اس بیوی کے ساتھ آپ سفر کرتے"۔

آیت زیر تفسیر اور احادیث مذکورہ سے یہ معلوم ہوا کہ اختلاف کی صورت میں یا اختلاف کے اندیشہ سے قرعہ اندازی سے فیصلہ کرنا سنت ہے تاکہ کسی کو کسی قسم کی شکایت نہ ہو۔([12])

الغرض اس حدیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ سفر پر جاتے وقت ازواج مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے، قرعے میں جس کا نام آجاتا آپ ﷺ ان کو ہم رکاب فرمالیتے تھے۔ یہ آپ ﷺ کے کمالِ عدل کا مظہر تھا۔ ورنہ آپ پر اس طرح قرعہ کشی کرنا واجب نہیں تھا۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ اس کی روشنی میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے والے مردوں کے لئے بھی یہی حکم ہے کہ اگرچہ وہ اپنی صوابدید پر کسی بھی بیوی کو اپنا ہم سفر بناسکتے ہیں، مگر استحباب کے درجے میں یہ حکم ہے کہ وہ ان کے درمیان قرعہ اندازی کرکے اس کے مطابق عمل کریں۔

آپ ﷺ کا ایلاء:

خاندان معاشرے کا سب سے اہم اور بنیادی یونٹ ہے جو مرد اور عورت کے درمیان میں رشتۂ ازدوج سے وجود میں آتا ہے۔ معاشرے کی ترقی و نشوونما کا انحصار جہاں خاندان پر ہے وہاں معاشرے کی تنزلی و انتشار کا انحصار بھی اسی خاندان پر ہے۔ کیونکہ خاندان ہی معاشرے کی اساسی اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں اور اسی سے معاشرے وجود میں آتے ہیں۔ جس قدر خاندان کی اکائی مضبوط اور مستحکم ہوگئی اس قدر ہی معاشرہ اور ریاست مضبوط اور مستحکم ہوں گے۔ چونکہ میاں بیوی خاندان کی بنیادی اکائی ہے اس لئے اس کی اہمیت بھی اتنی ہی زیادہ ہے۔ اسی لئے میاں بیوی کے درمیان خوشگوار تعلقات بہت اہمیت کے حامل ہیں۔

تاہم یہ تعلقات ہمیشہ خوشگوار اور مثالی نہیں رہتے۔ مختلف اسباب کی وجہ ان تعلقات میں تلخیاں اور باہمی رنجشیں بھی پیدا ہوجاتی ہیں۔ چنانچہ مولانا مودودی لکھتے ہیں:

"میاں اور بیوی کے درمیان تعلقات ہمیشہ خوش گوار تو نہیں رہ سکتے۔ بگاڑ کے اسباب پیدا ہوتے ہی رہتے ہیں"۔([13])

چنانچہ یہ تلخیاں بسا اوقات ناقابل برداشت حد گہری ہوجاتی ہیں۔ اس صورتحال میں اگر شوہر اپنی کو خود پر حرام کرلے تو اس کو شریعت اسلامیہ کی اصطلاح میں "ایلاء" کہتے ہیں۔

ایلاء کا لغوی معنیٰ ہے یمین یعنی قسم کھانا۔([14])

اس کا اصطلاحی معنیٰ ہے ایک مخصوص مدت تک اپنی بیوی کے ساتھ وطی نہ کرنے کی قسم کھالینا۔([15])

---

11 ۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:4473

12 ۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن عزیز، 84:2

13 ۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، تفہیم القرآن، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1994ء) 171:1

14 ۔ ابن المبرد، ابن المبرد، الدر النقي في شرح ألفاظ الخرقي، (جدة: دار المجتمع للنشر والتوزيع، 1411ھ 687:3

15 ۔ المجددي البركتي، محمد عميم الإحسان، التعريفات الفقهية (بيروت: دار الكتب العلمية، 1424ھ) ص40

اور پھر ایلاء میں کم از کم چار ماہ کے عرصے کے لئے بیوی سے جماع نہ کرنے کی قسم کھانا ضروری ہے ورنہ ایلاء متحقق نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایلاء میں شوہر اپنے بیوی سے یوں کہتا ہے کہ بخدا میں چار ماہ تک تمہارے قریب نہیں آؤں گا۔([16])

ایلاء کی حقیقت واضح ہونے کے بعد یہ جاننا بہت ضروری ہے کہ آپ ﷺ نے بھی اپنی حیات طیبہ میں ازواج مطہرات کے ساتھ ایلاء کیا تھا۔ آپ ﷺ کے ایلاء کے متعلق حکیم محمود احمد لکھتے ہیں:

> رسول ﷺ زاہدانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ دو دو مہینے آپ ﷺ کے کاشانہ اطہر میں آگ نہیں جلتی تھی۔ تمام عمر دو وقت برابر سیر ہو کر کھانا نصیب نہیں ہوا۔ اس زاہدانہ زندگی میں آپ ﷺ کی ازواج مطہرات بھی آپ ﷺ کے ساتھ برابر کی شریک تھیں۔ جب فتوحات اسلامیہ کا دائرہ بڑھا اور غنیمت کا مال مختلف علاقوں سے مدینہ طیبہ میں آیا تو ازواج مطہرات کے دل میں بھی یہ خواہش پیدا ہوئی کہ وہ بھی راحت و آرام سے اپنی بقیہ زندگی بسر کریں۔ ۹ھ میں ازواج مطہرات نے رسول اللہ ﷺ سے توسیع نفقہ کے لئے درخواست کی۔([17]) اس صورتحال میں آپ ﷺ نے عہد کر لیا کہ ایک ماہ تک آپ ازواج مطہرات سے نہیں ملیں گے۔([18])

آپ ﷺ کے ایلاء کے متعلق سید مسعود احمد لکھتے ہیں:

> "رسول اللہ ﷺ نے (اس مطالبہ پر ناراض ہو کر) ان (ازواج مطہرات) سے ایک مہینہ کے لیے علیحدگی اختیار کر لی"۔([19])

یہاں یہ بات بہت ہی اہم ہے کہ ایلاء دراصل زمانہ جہالت کی ایک رسم تھی جسے لوگ اپنی بیویوں کو اذیت دینے کے لئے اختیار کرتے تھے۔ کیونکہ لوگ یہ قسم کھانے کے بعد ہمیشہ کے لئے بیویوں کو نکاح میں بھی رکھتے تھے، لیکن ان کے حقوق زوجیت ادا نہیں کرتے تھے۔ اسلام نے ایلاء کی مدت چار ماہ تک محدود کر کے مردوں کو پابند کر دیا کہ اگر چار ماہ کے اندر بیوی سے رجوع کر لیا تو قسم توڑنے کا کفارہ ادا کرنا ہو گا۔ اور چار ماہ کے اندر رجوع نہ کیا تو ان میں جدائی واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ اس کے بعد بیوی کسی اور مرد سے نکاح کرنے میں آزاد ہو گی۔ جیسا کہ پیر کرم شاہ الازہری رقم طراز ہیں:

> "بعض لوگ اپنی عورتوں کو ستانے کے لئے قسم اٹھالیا کرتے تھے کہ وہ ان سے ہمبستری نہ کریں گے۔ اس طرح عورت نکاح میں بھی رہتی اور حقوق زوجیت سے محروم بھی ہو جاتی"۔([20])

مولانا مودودی لکھتے ہیں:

> "ایسے بگاڑ کو خدا کی شریعت پسند نہیں کرتی کہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ قانونی طور پر رشتہ ازدواج میں تو بندھے رہیں، مگر عملاً ایک دوسرے سے اس طرح الگ رہیں کہ گویا وہ میاں اور بیوی نہیں ہیں۔ ایسے بگاڑ کے لئے اللہ تعالیٰ نے

---

[16] ۔ الزَّبِيدِيّ، أبو بكر بن علي بن محمد، الجوهرة النيرة، (بيروت: المطبعة الخيرية، 1322ھ) 55:2

[17] ۔ حکیم محمود احمد ظفر، خلفائے راشدین، (لاہور: تخلیقات، 2000ء) ص 133

[18] ۔ الترمذی، محمد بن عیسی، السنن، (مصر: شركة مكتبة ومطبعة مصطفى البابي الحلبي، 1395ھ) رقم الحديث: 690

[19] ۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن، 261:3

[20] ۔ پیر محمد کرم شاہ، ضیاء القرآن، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1399ء) 155:1

چار مہینے کی مدت مقرر کر دی۔"([21])

گویا اسلام سے قبل ایلاء کو عورتوں پر ظلم و زیادتی کے ایک حربے کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، اسلام نے عورتوں پر ہونے والے اس ظلم کا سدباب کیا ہے۔

حدود اللہ میں سفارش پر آپ ﷺ کا اظہارِ ناراضگی:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا اور اس کی آبادکاری اور اپنی بندگی کے لئے انسانوں کو پیدا کیا اور اس کی رونق، خوبصورتی اور دلفریبی کے لئے بہت سے بہت سے جاندار اور بے جان مخلوقات پیدا کی ہیں جو اس کائنات کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ انسان کی ضروریات کا سامان بھی ہیں۔ گویا انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا اور دیگر مخلوقات کو انسان کی خدمت کی خاطر پیدا کیا۔

انسان کو اس دنیا میں زندہ و سلامت رہنے کے لیے بہت ساری چیزوں کی ضرورت ہے لیکن ان تمام اسباب کی موجودگی کے باوجود انسان کے لئے یہاں رہنے لئے امن و سکون کی ضرورت ہے کیونکہ امن و سکون کے بغیر انسانی معاشرہ ایک جہنم کا منظر پیش کرتا ہے۔ اور امن و سکون کے لئے معاشرے میں عدل و انصاف ناگزیر ہے، بغیر عدل و انصاف کے معاشرے کا کوئی بھی طبقہ پر سکون زندگی نہیں سکتا۔ گویا عدل و انصاف معاشرے کی اولین ضروریات میں سے ہے۔ لہٰذا معاشرے کے ہر طبقے کو عدل و انصاف فراہم کرنے کی بھی ضرورت ہے اور عدل و انصاف کے حصول کی بھی ضرورت ہے۔ انفرادی اور اجتماعی ہر سطح پر انصاف کا کی فراہمی اور عدل و انصاف پر مبنی نظام کا قیام صالح اور پر امن معاشرے کی تشکیل کے لئے ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے اسلام میں عدل و انصاف کی بہت اہمیت بیان کی گئی ہے۔ اور قرآن و حدیث میں جابجا انصاف کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ارشاد ربانی ہے:

"اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ۔" [22]

"بے شک اللہ حکم دیتا ہے انصاف کا۔"

چونکہ انصاف کی فراہمی کے لئے معاشرے کے ان انفراد کو انصاف کے کٹہرے میں لانا ضروری ہوتا ہے جو کسی بھی شکل میں لوگوں کے معاشرتی حقوق کو پامال کرنے کی کوشش کرے۔ چنانچہ اسلامی حدود اور اسلام سزائیں بھی اسلام معاشرے کا ایک اہم جزء ہے۔ کیونکہ سفلی جذبات اور خواہشات نفسانی انسان کی فطرت میں شامل ہیں۔ لہٰذا مختلف جذبات و شہوات سے مغلوب ہو کر انسان بہت سے جرائم کا ارتکاب کرتا ہے۔ جن میں بہت سے جرائم معاشرتی سطح کے ہوتے ہیں جن سے پورا معاشرہ متاثر ہوتا ہے، پورا معاشرہ ہیجان اور اضطراب کا شکار ہوتا ہے، عدم تحفظ کا خوف لوگوں کو دامن گیر ہوتا ہے، لوگ خود کو غیر محفوظ تصور کرنے لگتے ہیں۔ یہ خوف لوگوں کی زندگیوں سے سکون کو ختم کر دیتا ہے۔ اسی وجہ سے اسلام نے جرائم کی نوعیت اور سنگینی کے تناسب سے بہت حکیمانہ سزائیں بھی مقرر کی ہیں۔ تاہم سزا کے عمل میں رکاوٹ بننا یا سفارشی بننا اتنا ہی سنگین جرم ہے جتنا کہ اس جرم کا ارتکاب کرنا اپنے اندر سنگینی لئے ہوئے ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں ناجائز سفارش کرنے کو اس جرم میں حصے دار قرار دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ ربانی ہے:

"مَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً حَسَنَۃً یَّکُنْ لَّہ نَصِیْبٌ مِّنْہَا ۚ وَمَنْ یَّشْفَعْ شَفَاعَۃً سَیِّئَۃً یَّکُنْ لَّہ کِفْلٌ مِّنْہَا"۔([23])

---

[21] ۔ مودودی، سید ابو الاعلیٰ، تفہیم القرآن، (لاہور، ادارہ ترجمان القرآن، 1994ء) 1:171-172

[22] ۔ النحل: 90

[23] ۔ النساء: 85

"جو شخص اچھی بات کی سفارش کرے تو اس (اچھی بات کے ثواب) میں اسے بھی حصہ ملے گا اور جو شخص بری (بات کی) سفارش کرے تو اس (بات کے عذاب) میں اسے بھی حصہ ملے۔"

اس آیت کے تحت سید مسعود نے اول تو کسی اچھے کام میں سفارش کرنے کی فضیلت بیان کی اور اس کے متعلق آپ ﷺ کے فرامین نقل کرنے کے بعد بنو مخزوم کی عورت کے متعلق حضرت اسامہؓ کی سفارش کرنے پر آپ ﷺ کی ناراضگی کے واقعے کو نقل کیا ہے۔

"ایک مخزومی عورت کے سلسلے میں جس نے چوری کی تھی، قریش کو بہت فکر میں مبتلا کر دیا۔ انہوں نے کہا کون اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ سے بات کر سکتا ہے اور کون اس معاملے میں آپ ﷺ سے سفارش کی جرأت کر سکتا ہے۔ سوائے اسامہ کے جو رسول اللہ ﷺ کے محبوب ہیں۔ الغرض انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سفارش کی (آپ کے چہرے کا رنگ سرخ ہو گیا) آپ نے فرمایا! کیا تم اللہ کی حدوں میں سے ایک حد میں سفارش کرتے ہو (کہ وہ نافذ نہ کی جائے)"[24]

چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ میں عدل وانصاف کو علمی طور پر قائم اور ثابت کیا، اور عدل وانصاف کی لازوال مثالیں چھوڑی ہیں۔ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اس کی تاکید اور تلقین فرمائی ہے۔ لہٰذا ہم آپ ﷺ کے دور یا اس کے بعد خلفاء راشدین کے ادوار کا مطالعہ کرتے ہیں تو ان کے ادوار خلافت میں بلا امتیاز اور بلا کسی رغبت و عناد کے عدل وانصاف معاشرے کا ایک نمایاں وصف تھا جس کی وجہ سے وہ معاشرہ نہایت پر امن تھا اور اس میں ہر ایک کی جان، مال اور عزت محفوظ تھی۔

غیر مسلموں کو سلام کا جواب دینے میں حسنِ اخلاق:

دنیا میں تمام انسان برابر نہیں ہیں نہ ہی سب کے یکساں حقوق ہیں، انسانوں کے مختلف درجات اور طبقات ہیں اور اسی حساب سے حقوق مقرر کئے ہیں، چنانچہ جو حقوق والدین کے ہیں وہ کسی اور رشتہ دار کے نہیں ہیں، اسی طرح جو حقوق قریبی رشتہ داروں کے ہیں وہ کسی غیر رشتہ دار کے ہیں، اسی طرح جو حقوق اپنوں کے ہیں وہ دشمنوں کے نہیں ہیں۔ الغرض حقوق سب کے ہیں مگر یکساں نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر کوئی دشمن ہے تو اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ اس کے کوئی حقوق نہیں ہیں، کیونکہ بہت سے حقوق انسانیت کے ناطے بھی عائد ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے چند ایسے حقوق ہیں جو دشمن کے لئے بھی ہیں۔ چنانچہ اسلام صرف اہل ایمان اور کلمہ گو مسلمانوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کا حکم نہیں دیتا بلکہ تمام انسانیت کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیتا ہے۔ اسلام کسی دشمن کے ساتھ بھی ناروا سلوک روا رکھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ اگر مسلمان یا غیر مسلم سلام کہے تو اسے بھی جواب دینے کا حکم ہے۔ گویا انسانی حقوق میں ایک حق سلام کرنا اور سلام کا جواب دینا بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا۔[25]

اور جب تمہیں کوئی دعا دے تو تم اس سے بہتر دعا دو یا اس جیسی ہی کہو۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بلا تفریق مذہب وملت، رنگ ونسل اور قبیلہ وخاندان اچھے انداز سے سلام کا جواب دینے کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا یہ حکم خداوندی ہے کہ سلام کے جواب میں سلام کہنے والے کی نسبت اچھے الفاظ کا انتخاب کیا جائے یا کم از کم اس جیسے الفاظ تو ہونے چاہئیں۔

اسی معاشرتی ادب کے متعلق سید مسعود نے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ اور احادیث مبارکہ سے سلام کے مختلف آداب اور اصول ذکر کئے

24۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن عزیز، 277:3

25۔ النساء:86

ہیں۔ جن میں بالخصوص غیر مسلموں کے سلام کا جواب دینے متعلق انہوں سیرت طیبہ سے آپ ﷺ کے عمل کو نقل کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

جب اہل کتاب تمہیں سلام کریں تو تم جواب میں یہ کہہ دیا کرو وعلیکم۔[26]

کچھ یہودی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے انہوں نے کہا: تم پر موت طاری ہو۔ میں سمجھ گئی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں، میں نے کہا تم پر موت اور لعنت طاری ہو۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عائشہ! ٹھہرو، اللہ نرمی کو ہر کام میں پسند کرتا ہے۔ میں نے کہا: اے اللہ کے رسول! آپ نے سنا نہیں انہوں نے کیا کہا؟ آپ نے فرمایا: میں نے وعلیکم کہہ تو دیا تھا۔[27]

الغرض اگرچہ کفار کو سلام کرنے میں ابتداء کرنے کی مسلمانوں کو اجازت نہیں ہے، تاہم اگر وہ کسی مسلمان کو سلام کرلیں تو اس کا شائستگی کے ساتھ مناسب جواب دینا انسانی اخلاقیات اور مروت کا تقاضا ہے جس کی اسلام نے اجازت دی ہے۔

حضرت عائشہ سے آپ ﷺ کی محبت:

میاں بیوی کا رشتہ ایک ایسا رشتہ ہے جو تمام رشتوں کی بنیاد اور منبع ہے۔ تمام رشتے میاں بیوی کے باہمی رشتے اور تعلق کے مرہون منت ہیں۔ کوئی اگر باپ ہے تو وہ اسی رشتے کے صدقے ہے، کوئی اگر ماں کے اعلی وارفع رتبے پر فائز ہے تو وہ بھی اس تعلق کی بنیاد پر ہے، کوئی اگر بیٹا ہے تو وہ بھی اسی رشتے کے واسطے سے ہے، کوئی اگر بیٹی ہے وہ بھی اسی کی مرہون منت ہے۔ گویا تمام رشتے ناتے اسی تعلق کی پیداور ہیں۔ نیز میاں بیوی پوری معاشرتی عمارت کی پہلی اینٹ ہیں، بلکہ معاشرے کے بگاڑ اور اس کی اصلاح بھی انہی کے ہاتھوں میں ہے۔ تو جب میاں بیوی کو معاشرے میں اس قدر اہمیت حاصل ہے تو اس رشتے کے بھی بہت سے تقاضے اور فرائض ہیں۔ چنانچہ معاشرے کے درمیان محبت ومودت اور اتحاد و یگانگت کے لئے خود اس رشتے میں بھی محبت والفت کے جذبات کا ہونا ضروری ہے۔ ورنہ پورا معاشرہ افتراق وانتشار کا شکار ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام میں میاں بیوی کے درمیان الف ومحبت کو بہت اہمیت دی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

"وَمِنْ اٰيَاتِهٖ ۙ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً ۭاِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ۔" [28]

"اور یہ بھی اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے پیدا کی تمہارے لیے تم ہی میں بیویاں تاکہ سکون حاصل کرو تم ان کے پاس اور پیدا کر دی تمہارے درمیان مودت اور شفقت، یقیناً اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو سوچ وبچار کرتے ہیں۔"

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں رشتہ ازدواجیت کو اپنی نشانی قرار دیا ہے اور پھر اس رشتے کو باہمی سکون کا باعث قرار دیا ہے، نیز پھر فرمایا کہ رشتہ ازدواج میں منسلک ہونے کے بعد میاں بیوی کے درمیان اللہ تعالیٰ نے جو محبت بھی رکھی ہے یہ بھی اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ حدیث مبارکہ میں بھی میاں بیوی کے درمیان احترام ومحبت کا حکم ہے۔ ایک حدیث میں ارشاد نبوی ﷺ ہے:

"خيركم خيركم لأهله وأنا خيركم لأهلي، وإذا مات صاحبكم فدعوه"۔[29]

"تم میں سب سے زیادہ خیر پر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے ساتھ خیر کا معاملہ کرے اور میں اپنے اہل خانہ کے ساتھ تم سب سے زیادہ خیر کا معاملہ کرتا ہوں۔ اور جب تمہارا کوئی ساتھ مر جائے تو اسے برے الفاظ سے یاد نہ کرو۔"

---

26 القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 5780

27 القشیری، مسلم بن الحجاج، الجامع الصحیح، رقم الحدیث: 5784

28 الروم:21۔

29 ترمذی، السنن، رقم الحدیث 3895۔

اس حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے بیوی کے ساتھ حسن سلوک ایک بہتر اور اچھے مسلمان ہونے کی علامت اور معیار قرار دیا ہے، نیز یہ بھی فرمایا کہ میں خود اس معیار پر پورا اترتا ہوں بلکہ میں سب سے زیادہ اپنی گھر والوں کے ساتھ اچھے برتاؤ کے ساتھ پیش آتا ہوں۔ بلکہ اس سے بڑھ کر مرنے کے بعد بھی اس رشتے کے لحاظ کا حکم ارشاد فرمایا ہے۔

بیویوں کے ساتھ حسنِ سلوک میں یہ بھی شامل ہے کہ ایک سے زیادہ بیویوں کی صورت میں ان کے مابین عدل و انصاف کا معاملہ کرے۔ اگرچہ قلبی میلان کسی ایک بیوی کی طرف ہو سکتا ہے، مگر عملی برتاؤ میں یکسانیت کا مظاہرہ کرنا فرض ہے۔ جیسا کہ قرآن کریم میں ہے:

"وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ"۔[30]

" اور تم خواہ کتنا ہی چاہو (کہ بیویوں کے درمیان انصاف کرو) لیکن تم ہرگز (سو فیصد) انصاف نہیں کر سکتے تو ایسا بھی نہ کرو کہ ایک (بیوی) کی طرف بالکل ہی ڈھلک جاؤ اور دوسری کو معلق چھوڑ دو"۔

اس کے تحت سید مسعود نے اولاً ایک سے زائد بیویاں ہونے کی صورت میں ان کے درمیان عدل و انصاف اور مساوات قائم رکھنے کے بارے میں آپ ﷺ کا فرمان ذکر کیا ہے اور اس کے بعد حضرت عائشہ صدیقہؓ کے ساتھ آپ ﷺ کی الفت اور محبت کے حوالے سے دو احادیث مبارکہ نقل کی ہیں جن سے آپ ﷺ کے قلب اطہر میں حضرت عائشہؓ کے لئے خصوصی الفت و محبت کا پتا چلتا ہے۔ چنانچہ سید مسعود لکھتے ہیں:

مسلمین کو معلوم تھا کہ رسول اللہ ﷺ عائشہؓ سے کتنی محبت کرتے ہیں تو جب ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی ہدیہ بھیجنا ہوتا تو اس کے بھیجنے میں تاخیر کرتے یہاں تک کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عائشہ کے گھر میں ہوتے تو وہ ہدیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عائشہ کے گھر میں بھیجتے۔[31] حضرت عمر بن العاص فرماتے ہیں: میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا میں نے پوچھا آپ کو لوگوں میں سے زیادہ محبت کس سے ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عائشہ سے۔[32]

جانوروں کے ساتھ رحم کا معاملہ:

اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو وجود بخشنے کے بعد اس کی رونق کے لیے بہت سے اسباب اور سامان پیدا کیے۔ بے شمار چھوٹی بڑی مخلوقات کو پیدا کیا، خشکی اور تری کی الگ الگ مخلوقات ہیں۔ جس میں حیوانات، جمادات اور نباتات ہر طرح کی مخلوقات کو وجود بخشا گیا ہے۔ اور بعض مخلوقات اتنی بڑی اور عظیم الوجود و ضخیم الجسد ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے بغیر کسی معاوضے اور اجرت کے انسان کی خدمت میں لگا دی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو انسانوں کی نفع رسانی کے لیے اور ان کی خدمت پر مامور کر رکھا ہے اور وہ شب و روز اپنی اس ذمہ داری کو نبھاتے ہوئے بلا کسی اجرت و معاوضے کے انسان کی خدمت میں مصروف ہیں۔ بالخصوص مختلف انواع و اقسام کے جانور اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے فائدے کے لئے پیدا کیے ہیں۔ جیسا کہ سورۂ نحل میں چوپائیوں کے مختلف فوائد و منافع ذکر کئے گئے ہیں:

" اسی نے آدمی کو ایک بوند سے پیدا کیا پھر وہ یکایک کھلم کھلا جھگڑنے لگا۔ اور تمہارے واسطے چارپایوں کو بھی اسی نے بنایا، ان میں تمہارے لیے جاڑے کا بھی سامان ہے اور بھی بہت سے فائدے ہیں اور ان میں سے کھاتے بھی ہو۔ اور وہ تمہارے بوجھ اٹھا کر ان شہروں تک لے جاتے ہیں کہ جہاں تک تم جان کو تکلیف میں ڈالنے کے سوا نہیں پہنچ سکتے تھے بے

---

[30]۔ النساء:128

[31]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:2442

[32]۔ البخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، رقم الحدیث:3462

شک تمہارا رب شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کیے کہ ان پر سوار ہو اور زینت کے لیے، اور وہ چیزیں پیدا کرتا ہے جو تم نہیں جانتے"۔([33])

گویا یہ چوپائے انسانوں کے فائدے کے لئے مسخر کئے گئے ہیں، مگر جانوروں کو مختلف کاموں میں استعمال کرتے ہوئے ان پر ظلم کی اسلام نے اجازت نہیں دی ہے بلکہ ان کے نرمی کا معاملہ کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ اسلام نے جانوروں کے ساتھ ظلم کرنے کو بھی سختی نے ممنوع قرار دیا ہے۔ اسلام دنیا میں لطف و محبت کا جو عام پیغام لے کر آیا تھا اور حضور اکرم ﷺ کی شانِ رحیمی و کریمی نہ صرف یہ کہ انسانوں کے ساتھ مخصوص تھی، بلکہ اس کا سلسلہ حیوانات تک وسیع ہے، اس نے حیوانات کے ساتھ رحمت اور شفقت کا سلوک اختیار کرنے کی ہدایت کی۔ اس حوالے سے سید مسعود احمد اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"حضرت عبد اللہؓ فرماتے ہیں: ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے۔ آپ قضائے حاجت کے لئے تشریف لے گئے، ہم نے چڑیا دیکھی جس کے ساتھ اس کے دو بچے تھے۔ ہم نے اس کے دونوں بچوں کو پکڑ لیا۔ وہ چڑیا آئی اور (اپنے پر پھیلا کر) (زمین کے قریب) پھیلانے لگی۔ اتنے میں رسول اللہ ﷺ لے آئے۔ آپ نے فرمایا: کس نے اس چڑیا کو اس کے بچوں کے معاملے میں رنج پہنچایا ہے؟ اس کے دو بچے اس کو واپس کر دو۔"([34])

نتیجہ بحث:

اسلام چونکہ ایک فطری اور کامل دین ہے لہٰذا اس میں قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے زندگی گزارنے کے لئے احکامات موجود ہیں، زندگی کا کوئی پہلو یا نکتہ ایسا نہیں جو اسلام کی ہدایات سے خالی ہو۔ رسول اکرم ﷺ کی مثالی سیرتِ طیبہ سے رہنمائی پا کر آج بھی امتِ مسلمہ اپنی کھوئی ہوئی عظمت واپس لوٹا سکتی ہے۔

دعوت الی اللہ کا میدان ہو یا دعوت الی اللہ کے میدان میں آنے والے مسائل و مصائب ہوں، اسی طرح نجی یا اجتماعی زندگی میں انصاف اور مساوات کا معاملہ ہو، گھریلو زندگی ہو یا گھر سے باہر لوگوں سے میل ملاپ کے آداب و اخلاق ہوں، حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد، اشرف المخلوقات انسان ہوں یا جانور، اہلِ ایمان ہوں یا کفار، ان تمام پہلوؤں کے حوالے آپ ﷺ کی سیرت طیبہ سے بھرپور رہنمائی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قدم قدم پر، انفرادی اور اجتماعی زندگی میں آپ ﷺ کی سیرت سے رہنمائی حاصل کر کے اس پر عمل پیرا ہونے کی توفیق بخشے۔

---

[33] ۔ النحل: 7-5

[34] ۔ مسعود احمد، سید، تفسیر قرآن عزیز، 5:480